

مصابب سے لڑنا سیکھیے!

شاہ صاحب نے بڑے آرام سے ہاتھ ملایا۔ ہاتھ میں فولاد کی سختی تھی۔ سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئے۔ دائیں گال کے بالکل نیچے سفیدرنگ کی ٹیپ لگی ہوئی تھی۔ عامی ٹیپ جوزخموں پر لگائی جاتی ہے۔ شناسائی کو تقریباً دوسال گزر چکے ہیں۔ جواب بہت گہری دوستی میں بدلتے ہیں۔ ساتھ انکا بھانجا بھی تھا، جولندن میں زیر تعلیم ہے۔ مگر اپنے ناتا سے محبت کی وجہ سے سال میں تین چار بار لندن سے لا ہو ضرور آتا ہے۔ شاہ صاحب بذاتِ خود ایک وجہہ انسان ہیں۔ انکی عمر اس وقت پچھتر سال ہے۔ سات دہائیوں سے کچھ اوپر۔ اکثر اوقات میرے دفتر آتے رہتے ہیں۔

شروع شروع میں تعارف ہوا تو ایسے لگا کہ ایک وسیع المشرب انسان ہے جو زندگی سے بھر پور عشق کرتا ہے۔ مگر آہستہ جب پیچان ہوئی تو تاثر کمکمل طور پر بدل گیا۔ دراصل، ہم تمام لوگ اکثر ایک دوسرے کو سمجھے اور جانے بغیر، صرف قیافہ کی بنیاد پر اپنے اندازے کو یقین سمجھ لیتے ہیں۔ سطحی طور پر صرف معمولی سی جان پیچان پر دوسرے شخص کی ایک ایسی ڈھنی تصویر بنا دالتے ہیں، جو بالکل درست نہیں ہوتی۔ اردو گردوں پر نظر ڈالیے۔ اگر آپ واقعی زندہ ہیں اور صرف سانس نہیں لے رہے تو ان تمام لوگوں کے متعلق کوئی نہ کوئی ڈھنی تصویر ضرور بنائی ہوگی۔ اس خاک کی بنیاد، ان شخصیات میں سے اکثریت کے متعلق صرف اور صرف معمولی سی شناسائی ہوتی ہے۔ ہم اصل انسان کو پیچانے کی کوشش ہی نہیں کرتے۔ چہروں سے مفر حاصل کر کے، دلوں میں جھانکنے کی کوشش ہی نہیں کرتے۔ صرف سطحی سی دوستی، عامیانہ سی باتیں اور بس چند کھوکھلے قہقہے۔ میرے اور شاہ صاحب کے درمیان شروع میں یہی کچھ ہوا۔ اس شخص کو پیچانے میں تھوڑی سی دیریگ کئی۔ اندر سے ایک حرمت انگلیز انسان برآمد ہوا۔ ایک ایسا شاندار شخص جسے بہت ہی کم لوگ جانتے ہیں۔ ویسے اگر موقع نہ ملتا تو شاند میں بھی شاہ جی کو نہ پیچان سکتا۔ چہرے پر لگی ہوئی سفید ٹیپ کے متعلق پوچھا تو اعتماد سے کہنے لگے، کہ مجھے چہرے کی ہڈیوں کا کینسر لاحق ہے۔ کیمو تھراپی اور شعاعیں لگوانے کے بعد ٹھیک تو ہو چکا ہوں۔ مگر یہ زخم برقرار ہے۔ چھوٹا زخم۔ گھر سے باہر آتے ہوئے اس پر ٹیپ لگایتا ہوں۔ ذہن میں ایک دم حرمت کے سینکڑوں گھوڑے ایک ساتھ دوڑنے لگے۔ کینسر، مگر شاہ جی، آپ تو بالکل صحت مند نظر آتے ہیں۔ کوئی بھی شخص دیکھ کر یہ نہیں کہہ سکتا کہ آپ کبھی اتنی مہلک بیماری کا شکار رہے ہیں۔ کہنے لگے کہ میں کینسر سے بھر پور طریقے سے برہنہ یا لڑا ہوں اور اسے بھر پور شکست دی ہے۔ چھ سال پہلے، شوکت خانم ہسپتال میں علاج کرواتا رہا۔ خود گاڑی چلا کر جاتا تھا۔ کیمو تھراپی کے بعد خود واپس آتا تھا۔ کسی سے ذکر نہیں کیا کہ چہرے کی ہڈیوں کا مہلک کینسر ہے۔ مگر، کیمو تھراپی میں تو بڑے بڑے ہمت والے لوگ، پریشان ہو جاتے ہیں۔ اولاد اور شستہ داروں کی مدد مانگتے ہیں۔ آپ نے ایسا کیوں نہیں کیا۔ یہ ایک سوال تھا، جس پر شاہ جی خاموش ہو گئے۔ ٹشوپ پیر لیا اور چہرے پر اپنے زخم پر رکھ لیا۔ میں نے آگے بات کرنی مناسب نہیں سمجھی۔ ہم دونوں کافی پینے لگے۔ میں گرم بلیک کافی پی رہا تھا اور شاہ جی مکمل طور پر ٹھنڈی کافی۔

چند ہفتوں بعد، انکے گھر گیا تو بھائی عتیق اور چند دیگر دوست بیٹھے ہوئے تھے۔ بھائی عتیق کا ذکر آگیا۔ ان پر کتابیں لکھی جا سکتی

ہیں۔ ستر برس کا نوجوان جس نے پوری زندگی دوستوں کیلئے گزار دی۔ مخلاص اور ہر ایک کے دکھ اور خوشی کو اپنانے والا آدمی۔ بھائی عتیق سے تعلق تقریباً نصف صدی پر محیط ہے۔ یہ ان چند لوگوں میں ہیں، جن سے ملکر انسان باعث و بہار ہو جاتا ہے۔ بہر حال شاہ جی اور عتیق سے با تین ہوتی رہیں۔ کمرے میں دائیں جانب، دیوار پر ایک بڑی سی تصویر لگی ہوئی تھی۔ انتہائی وجیہہ انسان کی بلیک اینڈ وائٹ تصویر۔ شاہ جی، بار بار اس تصویر کو غور سے دیکھتے تھے اور پھر با تین شروع کر دیتے تھے۔ پوچھا کہ یہ نوجوان کون ہے۔ جواب انتہائی تکلیف دہ تھا۔ بیٹا ہے۔ جواں سالی میں کارا یکسیڈنٹ میں جاں بحق ہو گیا۔ آج زندہ ہوتا تو زندگی قدرے بہتر ہوتی۔ شاہ جی کی آواز میں غم کی لکیر تھی۔ اس گھر میں آنے سے پہلے مسلم ٹاؤن رہتا تھا۔ بہت بڑا گھر تھا۔ پھر یکے بعد دیگرے، دوایسے واقعات ہوئے کہ سب کچھ اُجزٹ گیا۔ پہلے بیوی کا انتقال ہوا۔ گھر میں سناٹا سا ہو گیا۔ اسکے بعد، بیٹا، یکسیڈنٹ میں جاں بحق ہو گیا۔ گھر ویران اور بر باد ہو گیا۔ گھر اتنا بڑا تھا کہ وحشت ہونے لگی۔ دفتر سے گھر آتا تھا تو دل مونہ کو آتا تھا۔ لہذا، ڈینفس میں ایک کنال کا گھر بنایا اور یہاں منتقل ہو گیا۔ یقین فرمائیے، میں مکمل طور پر خاموش ہو گیا۔ ایک انسان کی زندگی میں اتنے بڑے بڑے سانحے ہو جائیں اور وہ پھر بھی بھر پور زندگی گزار رہا ہو۔ یہ ایک انتہائی غیر معمولی امر ہے۔ ورنہ لوگ توصیمات کی بدلت، خود ہی غم کے سمندر میں ڈوب جاتے ہیں۔ پوری فانی زندگی، باہر نہیں نکل پاتے۔ مگر شاہ جی نے کمال طریقے سے اپنے دکھ پر قابو پایا ہوا ہے۔ لگتا ہے کہ غم کی کوئی پر چھائی تک پاس سے نہیں گزری۔ سوچنے پر مجبور ہو گیا۔ اہل خانہ کی قربتوں سے دائیٰ محرومی، کینسر جیسے موزدی مرض سے کامیاب جنگ اور پھر تماں دوستوں کے ساتھ بھر پور زندگی گزارنی۔ اس میں کوئی بھی عام چیز نہیں۔ خیر، تھوڑی دیر کے بعد واپس آگیا۔ صبح تک سوچتا رہا کہ شاہ جی، غیر معمولی اعصاب کے مالک ہیں یا غم کی سرحد سے ہی باہر نکل گئے ہیں۔ خیر چند ہفتے بعد میرے پاس آئے توڑیک سوٹ پہننا ہوا تھا۔ پوچھا کہ شاہ جی، آپ ورزش کرتے ہیں اس عجیب آدمی نے ہنسنا شروع کر دیا۔ جواب حد درجہ غیر معمولی تھا۔ کینسر سے پہلے، تقریباً میں تین گھنٹے ورزش کرتا تھا۔ کینسر ٹھیک ہونے کے بعد، دو گھنٹے۔ شاہ جی، لا ہور جم خانہ کے ممبر ہیں۔ وہاں ہفتہ میں پانچ سے چھ بار، دو گھنٹے بھر پور ورزش کرتے ہیں۔ لگتا ہے کہ وہ پیدا ہی ورزش کرنے کیلئے ہوئے ہیں۔ انکی زندگی میں روزانہ کی ورزش بالکل سانس کی طرح ہے۔ شاہ جی کہنے لگے کہ اصل میں میری زندگی اور زندگی میں مصائب سے اڑنے کی اصل وجہ، ورزش ہے۔ خیر خدا کی مدتوشا میں حال ہے ہی۔ مگر جمیزیم نے مجھے زندگی دوبارہ واپس کی ہے۔ دو گھنٹے بعد پسینہ سے شرابور، جب گھر واپس آتا ہوں تو ایسے لگتا ہے کہ نہ کبھی یمار ہوا تھا۔ نہ زندگی میں کبھی مہیب مسائل کا شکار رہا ہوں۔ پورے دن کی تھکن تودر ہو ہی جاتی ہے مگر غم کی شدت، کافی مدت کیلئے بہت حد تک کم ہو جاتی ہے۔ شاہ جی کی باتیں سنکرائیے لگا کہ وہ ایک پروفیسر ہیں اور میں زندگی کی کلاس کا ایک عام ساطابعلم۔ دونوں میں ہنی پنجنگی کا از حد فرق ہے۔ آج تک اس شخص کو اپنی تکالیف دوسروں کو بیان کرتے نہیں سن۔ کوئی اندازہ ہی نہیں کر سکتا کہ اس شخص کے ساتھ کیا کیا آسمانی بلاائیں موجود ہی ہیں۔

اپنے اردو گرد نظر ڈالیے۔ آپ کو ہر طرح کے آدمی نظر آئیں گے۔ امیر، بہت امیر، غریب، متوسط طبقے کے لوگ۔ مگر ان میں سے نوے فیصد لوگ ہر وقت، ہر طرح کا شکوہ کرتے نظر آئیں گے۔ چوبیس گھنٹے کسی نہ کسی کو اپنی مصیبتوں کا موروا لازم ٹھہراتے دکھائی دینگے۔ لگے گا کہ

دوسرے لوگوں نے انکی زندگی روندہ الی ہے۔ یہ بات جزوی طور پر درست بھی ہو سکتی ہے۔ مگر یہ سو فیصد ٹھیک نہیں ہے۔ ایک شخص بتا دیجئے۔ جسکی زندگی میں کوئی نہ کوئی مہیب مسئلہ نہ ہو۔ زندگی میں اس نے بھر پور مشکلات کا سامنا نہ کیا ہو۔ یا اس پر کسی بیماری یا آفت نے حملہ نہ کیا ہو۔ مگر اکثریت کارِ عمل اتنا مشبت نہیں ہوتا۔ جو شاہ جی کا ہے۔ کسی بوڑھے بیمار آدمی سے ملیے۔ آپ کو الف سے یہ تک اپنی بیماری یا بیماریوں کے متعلق ہرنکتہ بتائیں گا۔ ایک آدھ گھنٹہ بعد آپ کے کان پک جائیں گے۔ مگر وہ شخص باز نہیں رہیگا۔ گفتگو کی بنیاد یہ ہے کہ وہ بزرگ شخص، اپنی بیماریوں سے مقابلہ کرنے کا حوصلہ ہار چکا ہے۔ کئی لوگوں کو جانتا ہوں، جو معمولی سی دانشمندی سے اپنی صحت بہتر کر سکتے ہیں۔ مگر حرام ہے کہ وہ کبھی واک کرنے کی کوشش کریں۔ ورزش کریں۔ کوئی جم جوان کر لیں۔ ہاں، بیماری کے علاج کیلئے بہترین اور مہنگے ترین ڈاکٹر کی تلاش میں رہیں گے۔ صحت کے معاملات کو ایک طرف رکھ دیجئے۔ زندگی کے نشیب و فراز کس پر طاری نہیں ہوتے۔ زندگی تو نام ہی تغیر کا ہے۔ اگر سرکاری نوکری میں ہیں تو کبھی اچھی پوسٹنگ اور کبھی درمیانی سی تعیناتی۔ اگر کار و بار کر رہے ہیں تو کبھی بھر پور منافع اور کبھی گھٹاٹا۔ اگر پرائیویٹ نوکری کر رہے ہیں جو کبھی خختی اور کبھی آسائش۔ انسان کو خدا نے بنایا ہی اس طرح ہے کہ اس نے ہر موسم اور ہر تکلیف سے گزرنا ہے۔ مگر فرق کیا ہے۔ نکتہ کیا ہے۔ دراصل لوگوں کی کثیر تعداد، مسائل کو حل کرنے کی کوشش ہی نہیں کرتی۔ ان کارِ عمل اتنا معمولی سا ہوتا ہے کہ معمولی سی مصیبت، انکو بلا بنکر کھا جاتی ہے۔ وہ سکت ہی نہیں رکھتے کہ ذہن کو مضبوط کریں۔ مشکلات سے نکلنے کی حکمتِ عملی ترتیب دیں۔ بھر پور طریقے سے مصائب کو سینگوں سے پکڑیں اور جرات سے زندہ رہنے کی کوشش کریں۔ ہمارے ہاں، ہر آدمی اپنے اپنے گرداب میں ڈوبا ہوا نظر آ رہا۔ تاثر دیگا کہ اس سے مظلوم انسان، کرہ ارض پر موجود نہیں ہے۔ مگر خدا نخواستہ اسے یہ کہہ دیں کہ اس مشکل کا حل تو خود آپ کے پاس موجود ہے تو ناراض ہو جائیں گے۔ فرمائیں گے کہ ہماری تکلیف کا آپ کو کیا اندازہ۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ سے انکا تعلق خراب ہو جائے۔ ملنا تک چھوڑ دیں۔ مگر اصل بات یہی ہے کہ اکثریت اپنی مشکلات کو از خود حل کرنے کی کوشش بالکل نہیں کرتی۔ شکوہ، شکایت کر کے اپنی اور دوسروں کی زندگی اجیرن کر دیتے ہیں۔ مگر کبھی یہ نہیں کہتے، کہ اس مشکل کو وہ خود، کیسے حل کر سکتے ہیں۔ اپنی تکلیف کو خود کیسے کم کر سکتے ہیں۔ کوئی نظام کو کو سے گا۔ کوئی ملک میں غیر معمولی ادنیٰ حالات کو مورد الزام ٹھہرائے گا۔ کوئی خاندانی نظام کے بر باد ہونے کی بات کریگا۔ کوئی دنیا کی بے سباتی کی شکایت کریگا۔ مگر کوئی بھی یہ نہیں کہے گا کہ مشکل حالات میں کیسے اپنے آپ کو بہتر کیا جائے۔ اپنے اندر وہ ارادہ اور قوت پیدا کرے، جس سے معاملات بہتری کی طرف جا سکیں۔ کیسے قوت ارادی کو مضبوط کر کے دکھوں کو عزم کی تلوار سے تہہ تغیر کر پائے۔ شاہ جی نے کم از کم اپنی تمام مصیبتوں سے نبرد آزمائے ہوئے کی بھر پور حکمتِ عملی بنائی، اس پر عمل کیا اور آج وہ خوش و خرم انسان ہے۔ زندگی سے بھر پور بوڑھا، نوجوان!

رأُ منظر حیات